OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

ترجمان القرآن میں کلامی مباحث: ایک جائزہ
Theological Study of *Tarjumān al-Qurān*: An Analytical Study

Atif Ali Siddiqui
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore
Mutih ur Rehman
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore
Hafiz Muhammad Bilal
Doctoral Candidate, University of Education, Lahore

Abstract
This research explores the theological discussions in **Tajuman-ul-Quran**, a famous Quranic commentary by Maulana Abul Kalam Azad. It examines how Maulana Azad explained Islamic beliefs using simple yet meaningful arguments, connecting traditional ideas with modern thoughts. The study highlights how his work addresses key topics like **Tawhid (belief in one God)**, **Nubuwwat (prophethood)**, **Akhirat (afterlife)**, and the **creation of the universe**. Maulana Azad's approach combines reasoning and faith, making Quranic teachings understandable for everyone. His language is clear and effective, helping readers from all backgrounds engage with the Quran's message. The research also shows how *Tajuman-ul-Quran* is not just a religious text but a guide for solving modern issues while staying true to Islamic values. This study concludes that Maulana Azad's *Tajuman-ul-Quran* is a timeless work, offering valuable insights for understanding faith in a way that connects with both tradition and today's world. It highlights the importance of his efforts in making the Quran's message accessible to people of all intellectual levels. By

CC BY

bridging the gap between classical interpretations and contemporary needs, Maulana Azad has shown how the Quran can guide humanity in addressing ethical, spiritual, and intellectual challenges. His work serves as a source of inspiration for those seeking to balance faith with reason, and tradition with progress, making *Tajuman-ul-Quran* a masterpiece of enduring relevance in Islamic scholarship.

Keywords: Tajuman-ul-Quran, Islamic beliefs, Tawhid, Nubuwwat, Akhirat, creation of the universe

تمہید

مولانا ابوالکلام آزاد (1888-1958) برصغیر کے نامور اسلامی دانشور، مفسر، اور سیاسی قائد تھے۔ انہوں نے اسلامی علوم میں عمیق بصیرت کے ساتھ اسلامی عقائد کو واضح کیا اور قرآن کی تعلیمات کو فلسفیانہ اور عقلی بنیادوں پر پیش کیا۔ مولانا آزاد کا علمی مقام نہایت بلند ہے، اور ان کے تاریخ، سیاست اور مذہب پر کیے گئے کام سے آج بھی اہل علم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ جس موضوع پر بھی لکھتے، اسے مکمل تحقیق اور گہرائی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچاتے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اگر علمی شخصیات کی فہرست مرتب کی جائے تو مولانا ابوالکلام آزاد کا نام سر فہرست ہو گا۔ ان کا اہم ترین علمی کارنامہ **"ترجمان القرآن"** کی تفسیر ہے، جس میں انہوں نے اہم موضوعات پر بحث کی ہے، اور اردو تفاسیر میں ایسا تحقیقی کام کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی علمی خدمات میں اسلامی عقائد اور نظریات پر گہرے مباحث شامل ہیں۔ ان کی تحریریں اسلامی فکر کی روایت اور جدید دنیا کے فکری مسائل کے درمیان ایک مضبوط ربط قائم کرتی ہیں۔ انہوں نے اسلامی عقائد کی روایتی تشریحات کو جدید فلسفیانہ اور عقلی انداز میں پرکھ کر پیش کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القران برصغیر کی علمی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ تفسیر اسلامی علوم میں مولانا کی گہری بصیرت، فلسفیانہ سوچ، اور فکری اجتہاد کی عکاس ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی اس تفسیر میں اسلامی عقائد، توحید، نبوت، آخرت، اور انسانی فطرت جیسے بنیادی موضوعات پر گہرے اور فکر انگیز مباحث پیش کیے ہیں، جنہیں "کلامی مباحث" کہا جاتا ہے۔ **ترجمان القرآن** میں مولانا آزاد نے انہی مباحث کو قرآن کی روشنی میں عقلی اور تحقیقی انداز میں بیان کیا۔ ان کی یہ کاوش نہ صرف روایتی اسلامی فکر کی ایک نئی تشکیل ہے، بلکہ یہ جدید دور کے فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس آرٹیکل میں ہم **ترجمان القرآن** میں موجود کلامی مباحث کا جائزہ لیں گے۔ یہ جائزہ ہمیں مولانا آزاد کی فکری بصیرت کو سمجھنے کا موقع فراہم کرے گا اور یہ دیکھنے میں مددگار ہو گا کہ کس طرح انہوں نے اسلامی عقائد کو جدید فلسفے اور عقل کی بنیاد پر ایک نئی شکل دی۔

مولانا کے تفسیری منہج

مولانا ابوالکلام آزاد نے "البلاغ سے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر کا آغاز کیا اور ترجمان القرآن کی پہلی جلد ستمبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ مولانا کی زندگی میں دو جلدیں، تیسری جلد ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔[1] تفسیر ترجمان القرآن کے حوالے سے ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی لکھتے ہیں:[2] یہ پورا مجموعہ تین جلدوں پر منقسم ہے۔ پہلی دو جلدیں مولانا ابوالکلام آزاد کے غور و فکر کا نتیجہ ہیں جو ان

کی زندگی ہی میں مرتب و مدون ہو کر منظر عام پر آچکی تھیں۔ تیسری جلد ان کے معتقد مولانا غلام رسول مہر نے مولانا کا غیر مرتب و غیر مطبوعہ مواد جمع کر کے ترتیب دی اور شائع کی۔ مولانا نے ترجمہ انتہائی سادہ اور سلیس زبان میں کیا، اس حوالے سے وہ اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں: [3] میں نے تجربہ کے لئے سورۃ بقرہ کا مجرد ترجمہ ایک پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اردو کی آسان کتابیں روانی کے ساتھ پڑھ سکتا تھا۔ پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا جہاں تک مطلب سمجھنے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا جو کہ اردو کے تعلیمی رسائل با آسانی پڑھ لیتا تھا۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا لیکن مطلب سمجھنے میں اسے کوئی بھی رکاوٹ پیش نہ آئی میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتاً زیادہ سہل الفاظ رکھ دیئے۔ اس اقتباس سے مولانا کی ذہنی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عوام الناس کو قرآن فہمی کا شعور دلانے کے لیے آخر درجے تک جا رہے تھے۔ اس لیے عوام الناس کی تفہیم و تعیین کا خیال بھی رکھا۔

مولانا ابو الکلام آزاد کے کلامی مباحث

توحید پر تفسیر

مولانا ابو الکلام آزاد نے توحید پر قرآن کی متعدد آیات کی تفسیر کی ہے، جن میں اہم آیات شامل ہیں: اَللّٰہُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ[4] ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ "الحی" ہے (یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لیے فنا و زوال نہیں۔ القیوم ہے، (یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے۔ وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ و مالک الملک ہے۔ حی و قیوم ہے اس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں۔ اسکے علم کے لیے کوئی شے مخفی اور او جھل نہیں۔ وہ غفلت سے منزہ ہے اور نسیان سے پاک ہے جس ہستی کی صفتیں ایسی ہوں اس کے سامنے کسی کی سعی و سفارش کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، اور اس کے احکام و قوانین کے نفاذ میں کون ہے جو دخل دینے کی جرات کر سکتا ہے؟[5] سورہ فاتحہ کو مولانا آزاد نے توحید کا جامع بیان قرار دیا ہے۔ اور پہلی آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَلَمِينَ[6] سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ساری حمد و ستائش اس کے لیے ہے جو اپنی کار فرمائی کے ہر گوشے میں سرچشمہ رحمت و فیضان اور معنی حسن و کمال ہے! اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہیہ رہی ہے کہ اس کی نظریں مصنوعات کے جلووں میں محو ہو کر رہ جاتیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھ کر بے خود ہو جاتا مگر اس کی جستجو نہ کرتا جس نے اپنے جمال صنعت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں، دنیا میں مظاہر فطرت کی پرستش کی بنیاد اس کو تاہ نظری سے پڑی۔ پس الحمدُ للّٰہِ کا اعتراف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات ہستی کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی گوشے اور کسی شکل میں ہو صرف ایک صانع حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے۔ اس لیے حسن و جمال کے لیے جتنی بھی شیفتگی ہو گی، خوبی و کر و کمال کے لیے جتنی بھی مدحت طرازی ہو گی اور بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہو گا وہ مصنوع و مخلوق کے لیے نہیں ہو گا۔ صانع و خالق ہی کے لیے۔[7]

سورہ الانعام کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ[8] ترجمہ: میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں

حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا یہ چمکتا ہوا ستارہ میرا پروردگار ہے کیونکہ اس کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے۔ جب کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں، میں ان کا پرستار نہیں۔ کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع و غروب میں کسی ٹھہرائے ہوئے قاعدہ و حکم کی پابند ہوئی، تو وہ پروردہ ہوئی۔ پروردگار نہیں ہو سکتی پھر پردہ ظلمت چاک ہوا اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا۔ وہ بولے یہ پروردگار ہے۔ لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا اور غروب ہو گیا۔ اب صبح ہوئی اور مہر جہانتاب درخشاں ہو گیا۔ یہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے بڑا اجرام سماویہ میں کوئی نہیں۔ لیکن دیکھو یہ بھی تو کسی کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، پھر رفتہ رفتہ چھپ گئی۔ حضرت ابراہیم نے کہا ان میں سے کوئی پروردگار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں ہم مختار نہیں مجبور ہیں حاکم نہیں محکوم ہیں ہم سے بھی ایک بالا ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدون کے آگے جھکا رکھا ہے۔ پس وہ جو ان سب سے بالاتر اور ان سب کا بنانے والا ہے میں صرف اس کا ہو رہا۔ میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں۔ پھر جب ان کی قوم نے ردوکد کی تو انہوں نے کہا۔ تم مجھے اپنے معبودان باطل سے نہ ڈراو، دیکھو ہم دو فریق ہیں۔ ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا جن کے ماننے کے لیے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ ایک تم ہو کی ان سب کی پرستاری کرتے ہو جن کی پرستاری کے لیے کوئی دلیل و روشنی موجود نہیں۔ بتلاو دونوں فریقوں میں سے کیس کی راہ امن کی راہ ہوئی ؟[9]

نبوت اور رسالت پر تفسیر

مولانا ابو الکلام آزاد نے نبوت اور رسالت پر بھی تفصیل سے تفسیر کی ہے۔ اہم آیات جن پر انہوں نے تفسیر لکھی:وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ[10] ترجمہ: اور (اے پیغمبر) ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہوا۔ یہاں پیغمبر اسلام میں کالم کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ یعنی رحمۃ للعالمین! یہ ظہور صرف کسی ایک ملک کسی ایک قوم کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے۔ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کر لیں۔ یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک۔ کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے[11]

سورہ الجمعہ کی آیت میں رقمطراز ہیں

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[12] ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں میں سے ایک رسول انہی میں سے مبعوث کیا، جو ان پر خدا کی آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ یہاں "امین" سے مراد عرب ہیں یا غیر یہودی۔ یعنی جو اہل کتاب نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے پیغمبر بنی اسرائیل سے مبعوث ہوتے رہے۔ اور اب اللہ تعالی نے بنی اسمعیل (عربوں) میں اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اس نبی کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی سب سے بڑی کتاب انہیں پڑھ کر سناتا ہے کتاب الہی کی تعلیم دیتا ہے

اور انہیں مہذب بناتا ہے۔ اور یہ نبی صرف امین ہی کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ دوسری اقوام عالم کی طرف بھی مبعوث ہے۔[13]

آخرت اور حشر و نشر کا تصور

قُل لَّوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ قَتُورًا[14] ترجمہ:) اے پیغمبر) کہہ دے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں، اس کی بخششیں اتنی نپی تلی نہیں ہیں کہ صرف دنیا کی چندروزہ زندگی ہی میں خرچ ہو جائیں) حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کر سکتا) مولانا آزاد رحمت الٰہی سے حیات اخروی پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حیات اخروی پر استدلال کیا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھنی چاہیے۔ انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: "اللہ کی رحمت کا فیضان ہے" یہ رحمت جو چاہتی تھی کہ وجود ہو، بناوٹ ہو، حسن ہو، کمال ہو اور اس لیے سب کچھ ظہور میں آ گیا۔ اب اچھا اگر رحمت الٰہی کا یہ مقتضی ہوا کہ انسان کو زندگی ملی تو کیا اسی رحمت کا مقتضی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی صرف اتنی نہ ہو بلکہ اس کے بعد بھی ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری رہے۔ اس کی رحمت ابدی ہے۔ پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہو گا؟ اگر دائمی ہونا چاہیے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے۔ انسان کی دنیاوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند دنوں کی زندگی۔ پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان اتنا ہی تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے اور وہ زندگی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟[15] سطور بالا میں مولانا ابو الکلام آزاد نے انتہائی شرح وبسط کے ساتھ رحمت الٰہی کی وسعت کے پیش نظر عقیدہ آخرت کے اثبات پر عقلی دلائل پیش کیے ہیں، جو کہ عقول کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہیں. **حیات اخروی پر مولانا آزاد کی تین دلیلیں:** مولانا آزاد، امام رازی کے طریقہ استدلال کو اختیار کرتے ہوئے سورۃ یونس کی آیت نمبر 4: إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ[16] ترجمہ: تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، وہی ہے جو پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ میں عقیدہ آخرت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو جنہیں عقیدہ آخرت سے انکار تھا، آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ کیا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

1۔ وہ ہستی پیدا کرتا ہے اور پھر دہراتا ہے بس اگر پہلی پیدائش پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہوتا ہے؟ یہ پہلی نشاۃ سے دوسری نشاہ پر استدلال ہے۔

2۔ یہ دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لیے کہ جزائے عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمائش عمل کے لیے ہے، اسی طرح ایک زندگی جزائے عمل کے لیے بھی ہو۔

3- تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے۔ سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کو دیکھو جس کی گردش کی 28 منزلیں مقرر کر دی گئیں

ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو اور صرف اس لیے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کے ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے۔[17]

حیات اخروی سے مشرکین عرب کی بے خبری

یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزائے عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے، تمام مذاہب عالم کا عالمگیر معاملہ ہے لیکن مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے۔ اس لیے جب قرآن نے آخرت کی زندگی کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ جب آدمی مر گیا تو مر گیا پھر اس کے بعد زندگی کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ قرآن مجید نے جابجا ان کے اس طرح کے اقوال نقل کیے ہیں۔ مثلاً سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[18] اور بڑی شد و مد سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (دوبارہ) زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالی جو (ایک بار) مر جاتا ہے۔ ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے اس پر لازم ہے اس کو پورا کرنا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا آزاد لکھتے ہیں: یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا لیکن نہیں جانتے کہ اللہ تعالی کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے یعنی اس کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور ضروری ہے کہ ظہور میں آئے۔ اس کا وعدہ کیونکر ہے اس طرح کہ خود دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کر سکتا اور اختلاف پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہو جائے نیز اس لیے کہ گمراہ اور بد عمل اپنی گمراہی اور بد عملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یعنی دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اُٹھنا اور مشاہدہ حقیقت کا نہ ہونا بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے، پس یہ صورت حال گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے۔[19]

حیات بعد الموت کی ایک عام فہم مثال

انسان کی حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لیے آپ انسان ہی کی بنائی ہوئی ایک ذہین و فطین مشین روبوٹ ہی کی مثال لے لیجئے جو چلتا پھرتا ہے، پروگرام کے مطابق کام بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ماحول کی عکس بندی بھی کرتا ہے اور جو معلومات حاصل کرتا ہے ان کو اپنے اندر جمع کرتا رہتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے موجد کمپیوٹر کو بھی بھیجتا رہتا ہے جو ہزاروں میل دور کسی لیب میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ موجد نے اس روبوٹ میں ایک خاص بات یہ بھی رکھی ہے کہ اگر اس کو نقصان پہنچایا جائے، توڑنے کی کوشش کی جائے یا اسے آگ لگ جائے یا وہ کسی اور وجہ سے اپنی تباہی کے قریب پہنچنے لگے تو فوری طور پر وہ اپنے اندر محفوظ شدہ معلومات اور اپنے ڈیزائن کو موجد کی لیبارٹری کے کمپیوٹر کو ترسیل کر دے اور ساتھ ہی ساتھ وہ اس حادثہ کی خبر بھی دے دے جو اسے پیش آرہا ہے تو بھی آپ یہ کہیں گے کہ جدید سائنس کے لیے ایسا روبوٹ بنانا مشکل نہیں ہونا چاہیے اور آپ یہ بھی کہیں گے کہ آخری دم پر بھیجے گئے ڈیزائن اور معلومات کو سامنے رکھ کر موجد ہو بہو ایک نہیں بلکہ جتنے چاہے ویسے روبوٹ بنا سکتا ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر آپ انسان کی حیات بعد الموت پر غور فرمائیں۔ اگر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو کائنات کے موجد کے لیے یہ کیونکر نا ممکن ہونا چاہیے۔[20]

حیات اخروی پر مولانا آزاد کا استدلال

مولانا آزاد اسی جدید انداز فکر کو اپناتے ہوئے بحث بعد الموت کو سورۃ الحج کی آیات کی روشنی میں بڑے احسن پیرائے میں ثابت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَن فِي الْقُبُورِ[21] ترجمہ: یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو جلاتا ہے اور ہر ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے نیز اس بات کی کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے، اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور اس کی کہ اللہ ضرور انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مر گئے)۔ ان نتائج کی دلیل ان سے پہلی آیت مبارکہ ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ -"اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو ذرا اس امر میں غور کرو کہ ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے۔ اس آیت کی تشریح میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:[22]"اے لوگو! تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک انسان مر کر پھر اُٹھ کھڑا ہو یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آ گیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح وجود میں آئی؟" دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اُٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتداء نہیں ہو گی بلکہ یہ زندگی کا اعادہ ہو گا۔ لیکن اس کی ابتداء کیونکر ہوئی؟ من تراب مٹی سے۔ سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اس میں نمودار ہوا تھا۔ پھر حکمت الٰہی نے اسے درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ سوال یہ ہے کہ زندگی اگر عدم حقیقی سے وجود میں آ سکتی تھی تو پھر کیا یہ دہرائی نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کون سی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدائش یا پیدائش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لیے ابتدائی پیدائش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادہ میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کر دو کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہو کہ زندگی پیدا کر دے اس پر یہ کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے، پھر سمیٹ دے؟ اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں: قرآن نے حشر اجساد کے معاملہ کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے۔ جو ایک نطفہ سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درخت کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہو گا۔ جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آ گئی تھی۔ بلکہ ایسا ہو گا کہ جیسے نطفہ سے ایک نئی پیدائش اور نباتات سے ایک نیا ابعاث ظہور میں آ جاتا ہے یعنی اصل حیات بالقوۃ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آ جاتی ہے۔ اس لیے وہ اسے بحث سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسے کوئی آدمی دیر تک سوتا رہا تھا، پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احساسات و واردات ایسے بیان کیے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں اور پھر یہی وجہ ہے کہ وہ اس حالت کو اعادہ حیات سے تعبیر کرتا ہے اور عالم ہستی کے تبدل و تحول سے استدلال کرتا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد اسی توجیہ کو پیش کرتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کوئی نئی حیات نہیں ہو گی بلکہ وہ پہلی زندگی کا اعادہ ہو گی اور اعادہ مشکل و پیچیدہ نہیں ہوتا۔ مولانا آزاد انکار آخرت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انسان چونکہ فسق و فجور کی کھلی چھٹی چاہتا ہے اور ان اخلاقی پابندیوں سے بچنا چاہتا ہے جو آخرت کو ماننے سے لازم آتی ہے۔ اس لیے وہ آخرت کا انکار کرتا ہے۔[23] یہی وجہ ہے کہ دنیا میں روز برائیاں اور بے حیائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اب انسان انسان نہیں رہا بلکہ حیوان ہو گیا ہے۔ جس طرح حیوان کے لیے حلال و حرام کی کوئی قید نہیں، اسی طرح منکرین معاد کے نزدیک حلال و حرام کی کوئی قید نہیں۔ الغرض احتیاط کا تقاضا اور ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت اور قیامت پر

ایمان لایا جائے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق اس کی تیاری کی جائے کیونکہ جو شخص معاد کا منکر ہو جاتا ہے، وہ حلال و حرام کا قائل نہیں رہتا اور خیر و شر کی تمیز اس کی نظر سے اُٹھ جاتی ہے اور وہ شکم و شرم گاہ کا بندو بن کر رہ جاتا ہے۔

تخلیق کائنات

مولانا ابو الکلام آزاد نے سورہ یٰسین کی آیات 33 سے 40 میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق، کائنات میں موجود نظم و ضبط، اور اس کی نشانیوں کو بیان کیا ہے اور ان آیات کو اللہ کی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان آیات میں مولانا آزاد نے کائنات کے ان مظاہر کو اللہ کے وجود، اس کی وحدانیت، اور قدرت کا ثبوت قرار دیا ہے جو انسان کو غور و فکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَوَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ، لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ[24] ترجمہ: اور لوگوں کے لیے مردہ زمین ایک نشانی ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا پھر اس اناج میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کیے تاکہ لوگ اللہ کے عطا کردہ پھل میں سے کھائیں اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں ہے تو پھر شکر کیوں نہیں بجالاتے؟ ان آیات میں زمین کی مثال دی گئی ہے، جو مردہ ہوتی ہے، پھر اللہ اس میں بارش کے ذریعے زندگی بخشتا ہے اور زمین میں سے اناج اور دیگر غذائیں پیدا ہوتی ہیں۔ مولانا آزاد کے مطابق، یہ عمل انسان کو بتاتا ہے کہ اللہ زندگی اور موت پر قادر ہے اور وہ کائنات کا حقیقی خالق اور پالنے والا ہے۔ اس میں تخلیق کے عمل کو بیان کرتے ہوئے اللہ کی قدرت کی نشانیوں پر توجہ دلائی گئی ہے، جو انسان کو خالق کی وحدانیت کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسکے بعد اللہ نے انسان کے لیے باغات اور پھلوں کی مثال دی ہے، جو مختلف قسم کے ہیں، جیسے کہ کھجور اور انگور کے باغات، اور اس میں بہتی ہوئی نہریں۔ مولانا آزاد نے ان آیات کی تشریح میں کہا کہ یہ مثالیں انسان کو اللہ کی نعمتوں کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ انسان جو کچھ بھی کھاتا ہے، وہ اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے وسائل سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ کلامی پہلو ہے کہ انسان کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے اور یہ حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ کسی عظیم خالق کی تخلیق ہے۔[25] کائنات کے تخلیقی عمل پر غور و فکر کے لیے قرآن میں ارشاد ہے:سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَوَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَوَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ[26] ترجمہ: پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لیے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں۔ ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے اس پر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور دیکھو سورج کے لیے جو قرار گاہ ٹھہرادی گئی ہے وہ اسی پر چلتا ہے یہ عزیز و علیم خدا کی اس کے لیے تقدیر ہے۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ آخر میں وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے ان آیات میں اللہ نے تخلیق میں تنوع کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا۔ مولانا آزاد نے یہاں اللہ کی تخلیق کی مختلف جہات کو بیان کیا کہ ہر چیز کی ساخت، اس کا جوڑا ہونا، اور یہ کہ تخلیق کے ایسے اصول ہیں جنہیں انسان ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھ سکا، یہ اللہ کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان آیات میں رات اور دن کے آنے جانے کو اللہ کی نشانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد نے کہا کہ یہ کائناتی عمل خود ایک نشانی ہے کہ اللہ ہی دن اور رات کو پیدا

کرتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات میں اللہ کا ایک نظام قائم ہے اور یہ نظم وضبط اتفاقی طور پر نہیں بلکہ اللہ کی قدرت اور حکمت کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد سورج کے نظام کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ مولانا آزاد نے اس بات کو اللہ کے علم اور طاقت کی نشانی قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق، سورج کا ایک مقررہ مدار میں چلنا اور اس کی توانائی سے زمین کو روشنی اور حرارت ملنا ایک حیرت انگیز تخلیق ہے جو اللہ کی حکمت کی عکاسی کرتی ہے۔ پھر چاند کے مراحل کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مختلف منازل سے گزرتا ہے۔ مولانا آزاد کے نزدیک، یہ کائناتی ترتیب اللہ کی عظیم حکمت کا مظہر ہے۔ اللہ نے چاند کو منازل کے ساتھ اس لیے پیدا کیا تاکہ انسان وقت کی پیمائش کر سکے اور کائنات کی اس ترتیب سے اللہ کی وحدانیت اور اس کی عظیم تخلیق کا علم حاصل کرے۔

مولانا آزاد لکھتے ہیں: " قرآن مجید نے ہر مقام پر توحید وآخرت کے اثبات میں ان حقائق کو پیش کیا ہے جو شب روز ان کے مشاہدہ میں آتے ہیں مثلا مردہ زمین سے نباتات کا ظہور، رات دن کا اختلاف اور اس میں نظام شمسی کی کارفرمائی جونہاتی احکام اور باقاعدگی سے اپنا کرم کر رہا ہے، پھر یہ نظام شمسی اپنی عظمت اور حیرت انگیزی کے باوجود ایک بہت بڑی کہکشاں کا ایک حصہ ہے اور جس کہکشاں میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے اس میں تقریبا تین ہزار ملین آفتاب پائے جاتے ہیں یہ سارا کائناتی نظام کسی عزیز وحکیم کی قدرت وعلم کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اور یہ تمام نظام ربوبیت جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے اسی طرح توحید وآخرت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے اسی لیے قرآن حکیم نے ان حقائق کی طرف، آیت محکم، فرما کر انسان کو متوجہ کیا ہے۔ کائنات میں ہو قانون بھی کار فرما ہے جسے قرآن مجید نے قانون تزوتج سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قانون تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ہر چیز کے دو دو ہونے یا متقابل یا متماثل ہونے کا قانون، کائنات خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمہیں کوئی چیز یہاں اکہری اور طاق نظر نہیں آئے گی۔ ہر چیز میں جفت اور دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے، رات کے لیے دن ہے صبح کے لیے شام ہے نر کے لیے مادہ ہے مرد کے لیے عورت ہے زندگی کے لیے موت ہے۔ نظام کائنات اس قدر محکم بنایا ہے کہ تمہارے سیارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے۔ حقیقت اسلامی کی اطاعت وانقیاد نے ہر مخلوق کو اپنے اپنے دائرہ عمل میں محدود کر دیا ہے اور ہر وجود سر جھکائے ہوئے اپنا اپنا فرض انجام دینے میں مشغول ہے، تمام ستاروں کا باہمی جذب محیط ہمیشہ اس تسویہ ومیز ان کے ساتھ قائم ہے کہ عظیم الشان قوتوں کے پہاڑ آپس میں نہیں ٹکراتے۔ ان کی حرکت وسیر کی مقدار اوقات مقررہ میں طلوع وغروب ایک ایسا غیر ممکن التبدیل قانون ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی"۔[27] یہ سب آیات اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور یہ انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ غور و فکر کرے اور اللہ کی وحدانیت کو سمجھے۔

انسان کی تخلیق اور قدرتی حکمت

انسان کی تخلیق کو اللہ کی قدرت اور تخلیقی حکمت کی دلیل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کلامی ماہرین اس موضوع کو توحید اور اللہ کے علم کی اثبات میں شامل کرتے ہیں۔ قرآن میں انسانی تخلیق کے مراحل کا ذکر اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ بہترین تخلیق کار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت اور اس کے احکامات کی پیروی کرنا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اس موضوع پر جدید علوم کی مدد سے کلامی مباحث کیا ہے اور انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کی بیان کیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ[28]

ترجمہ: اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا(یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا، ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا، پھر عقلہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا، پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھا دی، پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی، پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔ اس کی تفسیر میں مولانا آزاد رقم طراز ہیں: یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ (سلالۃ من طین) ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا۔ یعنی مرطوب مٹی مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی، پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو گئی جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہیے۔ اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمود ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا۔ یہ تو پہلی پیدائش ہوئی اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟ توالد و تناسل سے، چنانچہ پہلے نطفہ رحم مادر میں جگہ پکڑتا ہے، پھر اس پر نشو نما کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں۔ قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو مراتب خمسہ بیان کیے ہیں گزشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی، کیونکہ علم تشریح جنین (Embryology) بالکل ناقص حالت میں تھا لیکن اب انیسیوں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھا دیے ہیں اور ان سے پوری طرح ان تصورات کی تصدیق ہو گئی ہے۔ انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلائل و شواہد اسے تین راہوں سے گھیرے ہوئے ہیں۔ خود اس کی ہستی کا ہر گوشہ سر تا سر دلیل حقیقت ہے۔ یہ قرآن کی اصطلاح میں عالم انفس ہے، اس سے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے۔ یہ عالم آفاق ہے پھر عالم آفاق کے دلائل کی بھی دو قسمیں ہوئیں۔ کائنات ہستی کی خلقت و قوانین کے مظاہر، یہ آیات کونیہ ہیں۔ اقوام ماضیہ کے احوال و تجارب، یہ براہین عملیہ ہیں۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا اور ایک قسم کے دلائل کے بعد دوسری قسم کے دلائل لاتا ہے۔ اس سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلائل جمع ہو گئے ہیں۔[29] سورہ مومنون کی یہ آیات انسان کی تخلیق کی مختلف مراحل اور اللہ کی حکمت کا بیان کرتی ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ان آیات میں کلامی مباحث پیش کیے ہیں، جو انسان کی حیثیت، اللہ کی قدرت، اور تخلیق کی حکمت کو اجاگر کرتے ہیں۔

خصوصیات ترجمان القرآن

ا۔ ادیبانہ ترجمہ

مولانا کی تفسیر ترجمان القرآن اور اس کا ترجمہ ایک اہم علمی تحفہ ہے۔ خاص کر ترجمہ تو بہت ہی عمدہ چیز ہے، اور اس ترجمہ پر خود مولانا کو بھی فخر تھا۔ فرماتے ہیں: "ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کی تمام خصوصیات کا اصل محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ اگر اس پر نظر رہے گی تو پوری کتاب پر نظر رہے گی۔ وہ او جھل ہو گئی تو پوری کتاب نظر سے او جھل ہو جائے گی۔"[30] ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں: "مولانا کی زبان میں غضب کی وہ دلکشی ہے جس نے ان کے ترجمے اور تفسیری اشارات میں اردو ادب کے ایک شاہکار کی شان پیدا کر دی ہے۔"[31]

۲۔ زبان و بیان کی سادگی

مولانا نے ترجمہ میں عام قاری کے ذہن کو ملحوظ نظر رکھا ہے، اور مطالب قرآنی بالکل سادہ مگر اعلیٰ زبان میں پیش کر دیے ہیں۔ ترجمان میں مولانا نے الہلال اور البلاغ کی سی ثقیل زبان استعمال نہیں کی، نہ ہی اپنی عادت کے مطابق عربی و فارسی کی ثقیل عبارات اور استعارات استعمال کیے ہیں۔ خود مولانا کہتے ہیں: ''ہم نے یہ مطلب اسی سادہ طریقہ پر بیان کر دیا ہے جو قرآن کے بیان و مطالب کا طریقہ ہے۔''[32]

۳۔ داعیانہ سوز۔

مولانا کی کتاب میں ایک داعیانہ سوز پایا جاتا ہے، پوری کتاب کا اسلوب ایسا رکھا کہ قاری کا جذبہ عمل بیدار ہو اور اسے قرآن پر عمل کرنا آسان لگے۔

۴۔ فکری اعتدال۔

مولانا معتدل فکر رکھتے تھے۔ انہوں نے عقل و نقل دونوں سے برابر رہنمائی حاصل کی۔ ان کے لیے رہنما شاہ ولی اللہ دہلوی کا منہج فکر تھا۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں: ''مولانا آزاد کے سامنے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا طرز فکر واضح تھا جس میں درایت و روایت اور تعقل اور اتباع سلف دونوں باتیں اعتدال کے ساتھ موجود تھیں۔''[33]

۵۔ منہج سلف کی پیروی۔

مولانا آزاد نے تفسیر میں اسلاف کے منہج کی مجتہدانہ پیروی کی ہے، اس کو رہنما بنا کر اپنے زمانے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا قاسمی لکھتے ہیں: ''مولانا آزاد نے دینی افکار کی تشریح محدثین سلف کے طریقہ کے مطابق کر کے اسلام کے بنیادی افکار وحی و نبوت اور نبوت کے حقائق اور وحدت دین کی تشریح ولی اللہی فکر کے مطابق، حضرات صحابہ کے دینی مقام و مرتبہ اور تفسیر قرآن میں سلف کرام کے اصولی دائرہ کی پابندی وغیرہ، دین کے مباحث پر روشنی ڈالی۔ ترجمان القرآن کے فکری مباحث کی روح اسی منظر میں واضح ہوتی ہے۔''[34]

۶۔ فکر مغرب سے مرعوب مفکرین کا رد۔

مولانا نے اپنی تفسیر میں بغیر نام لیے سرسید احمد خان اور ان کے ہمنوا دیگر مفکرین کا عمدہ طریقے سے رد کیا ہے۔ مولانا کا یہ رد خالص علمی اور مثبت انداز میں ہے، اس میں تفسیر حقانی کی طرح طنز نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر حقانی کے بجائے مولانا کی تفسیر زیادہ مقبول ہوئی اور اس نے جدید ذہن کے اشکالات کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مولانا قاسمی لکھتے ہیں: ''مولانا آزاد مناظرانہ انداز گفتگو کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے سنجیدہ اور مثبت انداز میں سید احمد خان کے تصورات کی ترجمان القرآن میں مکمل تردید ملتی ہے۔''[35]

۷۔ جامعیت۔

مولانا کی تفسیر مختصر مگر جامع ہے، بسا اوقات ایک حاشیہ پورے مقالے کے قائم مقام ہے۔ مولانا خود اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اکثر مقامات میں ایسا ہوا کہ معارف و مباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا، مگر نوک قلم پر آیا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن گیا۔''[36]

۸۔ بین الاقوامی اور بین الملی تفسیر۔

آغا شورش کاشمیری "ابوالکلام آزاد" جو مولانا کی سوانح عمری ہے میں رقمطراز ہیں "اُن کے ترجمہ و تفسیر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن ہی کی زبان میں خطاب کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے الفاظ الوہیت اور نبوت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں اور یہ صرف اللہ کی دین ہے۔ دوسرے تراجم جو اب تک ہندوستان میں ہوئے ہیں وہ قرآن کے الفاظ میں لغوی ترجمہ ہیں، ان میں قرآن کے شکوہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ عربی الفاظ کا ترجمہ اردو الفاظ میں کیا گیا ہے، مطالب کی طاقت و پہنائی اوجھل ہو گئی ہے۔ آزادؔ کی تفسیر محض مقامی و محض اسلامی نہیں، بین الاقوامی و بین الملی ہے۔ وہ الہیاتی زبان میں کائنات کو خطاب کرتے ہیں۔[37]"اسی طرح ترجمان القرآن کے بارے میں خورشید احمد صدیقی کہتے ہیں "مولانا پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے براہ راست قرآن کو اپنے اسلوب کا سرچشمہ بنایا"[38]

خلاصہ بحث

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں تفسیر کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے ان کے متکلم ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ متقدمین سے ہٹ کر انہوں نے جدید انداز فکر کو اپنایا ہے اور جدید سائنسی نقطہ نظر سے تشریح کی ہے۔ جدید دنیا میں اسلامی عقائد کے اثبات کے لیے ضروری ہے کی مولانا آزاد کی فکر سے استفادہ کیا جائے۔ ترجمان القرآن" میں مولانا آزاد نے قرآنی تعلیمات کو عملی زندگی کے لیے ایک رہنما کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کی تفسیر میں عقل و فکر کی اہمیت پر زور دیا گیا اور یہ دکھایا گیا کہ اسلام نہ صرف وحی بلکہ علم اور تحقیق کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ مولانا آزاد نے یہ بیان کیا کہ قرآن ایک آفاقی کتاب ہے جو ہر دور کے انسان کے لیے ہدایت فراہم کرتی ہے۔ اس کی تعلیمات انسانی معاشرت کی اصلاح، فکری ترقی، اور اخلاقی بلندی کے لیے ہیں۔ "ترجمان القرآن" کے ذریعے انہوں نے قرآن کے آفاقی پیغام کو جدید دور کے علمی اور فکری تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ترجمان القرآن کی علمی حیثیت کو سید سلیمان ندوی واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”میں نے قرآن کریم کی جتنی تفاسیر پڑھی ہیں، ان میں ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی تفاسیر سے بہتر کوئی تفسیر نہیں، ”ترجمان القرآن“ کا مصنف قابل مبارک باد ہے کہ اس نے یورپی سامراج کے زمانے میں بڑی ہمت اور دلیری سے ابن تیمیہ اور ابن قیم کی اس صورت سے پیروی کی ہے جس طرح انہوں نے منگولی فاتحوں کی مزاحمت کے سلسلے میں کی تھی۔"[39] اسی طرح مفسر قرآن مولانا احمد سعید دہلوی نے بھی ترجمان القرآن کو وقت کی ضرورت قرار دیا اور اس کو مولانا آزاد کا ایک کارنامہ قرار دیا۔ مولانا احمد سعید نے کہا کہ مولانا آزاد نے اردو زبان کو قرآن کے پیغام کی ترجمانی کے لیے اس خوبصورتی اور فصاحت کے ساتھ استعمال کیا کہ یہ اردو ادب کے لیے بھی ایک سنگ میل بن گئی۔ ان کے نزدیک، "ترجمان القرآن" قرآن کی تعلیمات کو اردو کے قارئین تک پہنچانے کی ایک کامیاب کوشش ہے ۔ لکھتے ہیں: ”قرآن کریم کی عربی مبین مولانا آزاد کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ آکر اسے اردوئے مبین کے قالب میں ڈھالیں۔ ترجمان القرآن مولانا آزاد کا غیر فانی کارنامہ ہے۔"[40]مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر "ترجمان القرآن" ایک بے مثال علمی کاوش ہے جو قرآن کی تعلیمات کو جدید ذہن کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ ان کے مطابق، مولانا آزاد نے قرآن کے پیغام کو غیر معمولی فصاحت کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کیا، جو نہ صرف فکری اعتبار سے گہرائی رکھتی ہے بلکہ قاری کو غور و فکر کی دعوت بھی دیتی ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کہتے ہیں: ”(سید رشید رضا مصری کی) تفسیر المنار اور مولانا کا ترجمان القرآن مطالب و معانی کے اعتبار سے ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ زبانیں دو ہیں، مقصد ایک۔ مولانا، علامہ ابن تیمیہ، جاحظ اور ابن قیم کے شانہ بشانہ ہیں۔"[41]مولانا اکبر آبادی کا یہ بیان اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ مولانا آزاد نے قرآن کے مطالب و

معانی کو نہایت گہرائی، فکری وسعت، اور معاصر تقاضوں کے مطابق پیش کیا، جس طرح علامہ سید رشید رضا نے اپنی **"تفسیر المنار "** میں کیا۔ دونوں تفسیروں کے درمیان فکری مماثلت اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان کا مقصد قرآن کے آفاقی پیغام کو واضح کرنا اور اسے انسانی زندگی کے عملی مسائل کے حل کے لیے پیش کرنا تھا۔ مولانا اکبر آبادی کے نزدیک مولانا آزاد کا علمی اور فکری مقام اسلامی علوم کے بڑے مفکرین جیسے **ابن تیمیہ، جاحظ، اور ابن قیم** کے برابر ہے۔ ان شخصیات کی طرح مولانا آزاد نے بھی اسلامی فکر کو ایک اجتہادی اور عقلی بنیادوں پر استوار کیا۔ انہوں نے اسلامی عقائد کو فلسفہ، منطق، اور عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کیا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی تفہیم کو ایک زندہ، متحرک، اور ہمیشہ رہنما علم کے طور پر دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآن محض روایتی تشریح تک محدود نہیں بلکہ انسانی شعور کو جلا بخشنے والی کتاب ہے۔

حوالہ جات

[1] مولانا، ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، (لاہور، اسلامی اکادمی) 53:1

[2] عثمانی، ڈاکٹر محمد نسیم، اردو میں تفسیری ادب، ایک تاریخی اور تجزیاتی جائزہ، (کراچی، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ، گلشن اقبال، 1956)، 355

[3] ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 50:1

[4] البقرہ:255

[5] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 335:1

[6] الفاتحہ:01

[7] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 65:1

8 الانعام:79

[9] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 496:1

[10] الانبیاء:107

[11] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 579:2

[12] الجمعہ:02

[13] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 440:03

[14] الاسراء:100

[15] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 436:02

[16] یونس:04

[17] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 204:02

[18] النحل:38

[19] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 378:02

[20] سلطان بشیر محمود، قیامت اور حیات بعد الموت، (اسلام آباد، انٹر نیشنل پبلیکیشنز، 2007):48

[21] الحج:7-6

[22] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 602:02

[23] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 485:03

[24] یسین 33-35

[25] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، 260:03

[26]یسین36-38
[27]مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن،260:03
[28] المومنون:12-14
[29] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن،608:02
[30] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القران،398:03
[31] آغا، شورش کاشمیری، مولانا ابو الکلام آزاد،(لاہور، چٹان مطبوعات،2009):334
[32] مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القران،43:02
[33] مولانا، اخلاق حسین قاسمی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ،(دہلی، مولانا آزاد آکیڈمی،1993):28
[34] مولانا، اخلاق حسین قاسمی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ:29
[35] مولانا، اخلاق حسین قاسمی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ:29
[36]مولانا ابو الکلام آزاد، ترجمان القران،44:02
[37] آغا، شورش کاشمیری، مولانا ابو الکلام آزاد،(لاہور، چٹان مطبوعات،2009):482
[38] مولانا، اخلاق حسین قاسمی، مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت،(لاہور، سنی پبلشرز):55
[39] مولانا، آخلاق حسین قاسمی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ:16
[40] غلام رسول مہر، نقش آزاد،(دہلی، جامعہ ہمدرد،1958):87
[41] آغا، شورش کاشمیری، مولانا ابو الکلام آزاد،:334